© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

# اشارات

انسانی ذہن اور سیرت و کردار اور اس کے جذبات کے بنانے میں جن عوامل نے سب سے بڑا اور اہم پارٹ ہمیشہ ادا کیا ہے ان میں سے ایک تصورِ خدا ہے۔ مختلف اقوام اور مذاہب نے خدا کو جن جن صفات کے ساتھ پیش کیا ہے ان کے تصور نے ان کی ذہنی ساخت اور ان کی ہیئتِ کردار کو بنیادوں سے لے کر کنگروں تک کو متاثر کیا ہے۔ ایک تصورِ خدا وہ ہے جس نے انسان کو ڈرپوک اور بزدل بنا دیا ہے، دوسرا وہ ہے کہ جس نے اسے ظلم اور سنگدلی کے اوصاف دیئے ہیں، تیسرا وہ تصور ہے جس نے اسے خوددار اور جری، انصاف پسند اور فرض شناس ہستی کے معیار پر لا کھڑا کیا ہے۔ وہ بھی ایک تصورِ خدا ہی ہے کہ جو انسان کو کشمکشِ حیات سے فرار کرا کے پہاڑوں کی چوٹیوں اور کھوہوں اور جنگلوں اور ویرانوں میں جا ڈالتا رہا ہے، اور وہ بھی ایک تصورِ خدا ہی تھا کہ جس نے اسے قید و بند، تیغ و تبر اور صلیب و دار کے رنگا رنگ معرکوں میں محو کر دیا ہے۔ اللہ کی ہستی کا وہ بھی کوئی شعور تھا کہ جس کے تحت آدمی نے آگ، پانی، ہوا، بجلی، درخت، پتھر، گھوڑے، گائے وغیرہ موجودات میں جہاں کہیں قوت و جبروت کا کوئی مظاہرہ دیکھا، اس نے فوراً جذباتِ مرعوبیت کے ساتھ عبادت گزاری کے لیے گھٹنے ٹیک دیئے، اور جہاں کہیں اس نے اپنے لیے کوئی ادنیٰ سا دنئے افادیت پائی وہ شکرانے کے سجدے میں گر گیا!!... دوسری طرف وہ بھی اللہ ہی کی ذات کا ایک شعور تھا کہ جس کے نشے میں سرشار ہو کر آدمی اٹھا اور اُس نے خلیفۃ اللہ بن کر موجودات اور عناصر کی زمامِ تسخیر ہاتھ میں لے لی اور مادی قوت کے لشکروں کو غلاموں اور نوکروں کی حیثیت دے کر اونچے اخلاقی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

ان سطور میں ہم اجمالاً اُس تصورِ خدا پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جسے اسلام نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کیا۔ اسلام خدا کو جن صفات کے ساتھ ہم سے متعارف کراتا ہے ان کا شعور ہمارے ذہن و کردار کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بنانے میں گہرا اثر رکھتا ہے۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ شعبہ انسانی فکر و عمل کو کن سانچوں میں ڈھالتا ہے اور کس رُخ پر انہیں ارتقاء دیتا ہے۔

---

بہت سے قدیم اور جدید معاشروں کا تصورِ خدا یہ رہا ہے کہ وہ اگرچہ آخری اقتدار کا مالک اور عظیم و برتر ہے، لیکن اسے اپنے بندوں کی زندگی سے اور اس کے مسائل سے کوئی براہِ راست قسم کی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تخلیق کا ایک کھیل رچائے ہوئے ہے۔ وہ عناصر کا ایک ہنگامہ تفریحاً بپا کیے ہوئے ہے۔ وہ حوادث کے شعبدے خود ہی دکھانے والا ہے اور خود ہی دیکھ دیکھ کر اُن سے لذت اندوز ہوتا ہے: جیسے ایک بچہ پھلجھڑی چھوڑتا ہے اور اس سے لطف اُٹھاتا ہے۔ یہ موت، بیماری، قحط، زلزلے اور بجلیاں اس کی قدرت کے کھیل تماشے ہیں جن کی لپیٹ میں بے شمار مخلوق آ آکر غارت ہوتی رہتی ہے لیکن وہ ان تباہ کاریوں کو پوری شانِ بے نیازی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کی تقدیر کا دریا اپنے بہاؤ کی شان میں مگن، ہمہ وقت موجزن ہے، نہ اس کی پرواہ کہ کون ڈوبتا ہے، نہ اس کا اہتمام کہ کون تیرتا ہے۔ آج اِدھر سے کنارہ کٹ گیا اور اُدھر زمین برآمد ہو گئی، کل اُدھر کی کھیتیاں اور بستیاں اُجڑ گئیں اور اِدھر نئی دنیا بس گئی۔ جدید دَور کے فلسفہ میں غوطہ مار کر یہ تصور دوبارہ اُبھرا تو اس کی نئی شکل یہ تھی کہ ایک مکمل جبریت کے اسلوب سے ایک اندھی قوت ہے جو توڑ پھوڑ اور بناؤ اور بگاڑ کا یہ ہنگامہ مچائے ہوئے ہے۔ ایک نقطۂ نظر یہ بھی نمودار ہوا کہ اصل وجود تو ہے ہی خدا کا، غیرِ خدا یہاں کچھ نہیں ہے، وہ اپنے ظہور کے لیے طرح طرح کی اشکال اختیار کرتا ہے اور انہیں بار بار توڑتا جاتا ہے اور نئی اشکال کا جامہ پہنتا جاتا ہے، لہٰذا موجودات کی انفرادیت اور ان کی نوعی اور جنسی اور ذاتی اشکال سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں اور ان کے مسائل کوئی مسائل نہیں ہیں۔ ہمہ اوست کے تصور کی یہ صہبا جدید فکر کی بھٹیوں میں از سر نو کشید ہو کر آئی تو یہ نظریۂ ارتقاء کے میکدوں میں بالکل نئے جام و مینا میں جلوہ فگن تھی۔ اب یہ قرار پایا کہ خدا کائنات اور زندگی اور انسانی معاشروں کی جولانگاہوں میں اپنی تکمیل کے لیے اپنی قوتوں کو اضداد کے عساکر میں لا کر باہم دگر ٹکرا رہا ہے اور اس کشمکش کے ذریعے وہ ایک ایک قدم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو منزلِ مقصود کی طرف آگے بڑھا رہا ہے، اس کشمکش کی چکی میں وجود اور زندگی اور انسانیت کا پِسنا بالکل ناگزیر ہے!

خدا کے بارے میں یہ سارے کے سارے تصورات ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ خدا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جسے ہمارے دکھ درد سے، ہمارے آنسوؤں اور تبسموں سے، ہمارے خیر اور شر سے، ہماری فلاح اور تباہی سے کوئی واسطہ ہو، جو ہمارے زخموں پر مرہم رکھنے، ہماری پیاس کا جواب کسی جام لبریز سے دینے، اور ہماری مصیبتوں میں سہارا بہم پہنچانے کا اہتمام کرنے والا ہو!

پھر کچھ مذاہب و اقوام وہ ہیں کہ جنہوں نے خدا کی عظمت و قہاری، اس کے جلال و جمال اور اس کی خالقیت و رزاقی وغیرہ کا تصور دے کر انسان کو یہاں تک تو پہنچا دیا کہ وہ کبھی خدا کے قہر سے ڈر کر اور کبھی خدا کے فطری اور طبعی انعامات و عطیات کا احسان شناس بن کر اپنا سرِ عبودیت اس کے سامنے خم کر دے، لیکن یہاں تک پہنچ کر بھی انسان یہ نہیں محسوس کرتا ہے کہ اس کا خدا کوئی ایسی ہستی ہے جو اس کی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل سے، اس کے بھلے اور برے سے، اس کی راحتوں اور مصیبتوں سے، اس کی آبادی و ویرانی سے، اس کے بناؤ اور بگاڑ سے کوئی دلچسپی رکھتی ہے۔ اپنی زندگی کے لحاظ سے آدمی اپنے آپ کو ایک گھنے جنگل یا ایک لق و دق صحرا میں، ایک پہاڑ کی اونچی چوٹی پر، یا ایک تاریکیوں کے طوفانی سمندر میں بالکل بے یار و مددگار اور یکہ و تنہا محسوس کرتا ہے۔ کوئی اسے راستہ بتانے والا نہیں، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، کوئی اسے روشنی بہم پہنچانے والا نہیں، کوئی اسے سمتِ سفر بتانے والا نہیں اور وہ قیاس اور اٹکل اور طفلانہ عقل کے رحم و کرم پر ہے کہ تجربوں کی ٹھوکریں یکے بعد دیگرے کھاتا رہے۔ اس کی نگاہ میں خدا کتنا ہی عظیم ہو، لیکن وہ زندگی کی اندھیاریوں میں اس کا ساتھ نہیں دیتا، خدا کتنا ہی مہربان ہو اسے راہِ عمل تلاش کرنے میں کوئی مدد بہم نہیں پہنچاتا۔ وہ خدا ایسا خدا ہے جسے اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں کہ زندگی کی گاڑی ایک معاشرے کے ہزاروں نفوس کو اپنے اندر لیے کسی کھڈ میں گرتی ہے یا کسی مقام بلند پر پہنچتی ہے؟

خدا کے بارے میں یہ سب تصورات انسان کے ناقص شعور کے مظہر ہیں، اور ان تصورات نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہمیشہ ذہن و کردار میں فساد پیدا کیا ہے۔

---

قرآن کا تصورِ خدا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پوری مخلوق اور خصوصاً انسانی زندگی کی فلاح و بہبود سے براہِ راست دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ موجودات کا صرف خالق و تقدیر ساز ہی نہیں، ہادی بھی ہے (الذی خلق فسوّٰی، والذی قدّر فھدٰی)۔ وہ قوتیں اور صلاحیتیں دے کر مخلوق کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیتا ہے بلکہ ان قوتوں اور صلاحیتوں کے لیے راہِ عمل بھی نمایاں کر دیتا ہے۔ چنانچہ انسان کو بھی جب حیاتِ ارضی کے لیے میدان میں اتارا تو اسے اطمینان دلا دیا کہ تم کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا جا رہا، تمہاری رہنمائی اور یاوری کی جائے گی۔ (فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون) وہ انسانیت کو شیطان کے مقابلے پر اتارتا ہے اور اخلاقی شر کے حملوں کا سامنا کرنے کے لیے اکھاڑے میں بھیجتا ہے تو گہری دلچسپی کے ساتھ اسے پوری طرح خبردار کرتا ہے کہ اے اولادِ آدم! تم ایک خطرناک دشمن کی زد پر ہو، اس کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کر دینا (یا بنی آدم لا تعبدوا الشیطٰن انہ لکم عدو مبین)۔ پھر اس دشمن کی خطرناکیاں پوری تفصیل سے بیان کرنے کے لیے اس کا تاریخی چیلنج انسانیت کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے کہ "میں صراطِ مستقیم کے ہر ہر مرحلے پر کاروانِ انسانیت کا رہزن بن کے بیٹھوں گا، میں ان پر آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے یورش کروں گا" (الاعراف۔ آیت ۱۶، ۱۷)۔ چنانچہ قرآن کا خدا انسان کو اس علمبردارِ شر کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک ایک گر سکھاتا ہے، وہ غولِ بیابانی اور رہزنوں کے چھلاووں سے بچانے کے لیے یکے بعد دیگرے انبیاء و رسل بھیجتا اور الکتاب کی قندیلیں روشن کرتا ہے۔ وہ منزلِ سلامتی تک پہنچانے والے راستے کے سارے نشانات کو اجاگر کرتا اور اس منزل کی طرف دعوت دیتا ہے (واللہ یدعوکم الیٰ دار السلام۔ یونس۔ آیت ۲۵)۔ وہ زندگی بسر کرنے کے لیے بنیادی حقیقتوں کا پورا پورا علم فراہم کرتا ہے، ضابطے اور قانون بتاتا ہے، طریقے اور اسلوب مقرر کرتا ہے، ایمان کے تقاضے اور عملِ صالح کے سارے شعبے واضح کرتا ہے، اور زندگی کا پورا پورا نظام نامہ مرتب کر کے سامنے رکھ دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہٖ .....) اور صراحت سے کہہ دیتا ہے کہ تمہارے لیے تمہارے خدا نے اسلام ہی کو زندگی بسر کرنے کا دین قرار دیا ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام) اور جو کوئی اس دینِ حیات سے ہٹ کر کسی اور نہج پر زندگی بسر کرے گا وہ نامراد رہے گا (ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ)!

قرآن کا خدا اپنے بندوں کی روزمرہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ایک ایک معاملے سے اتنا گہرا اور قریبی واسطہ رکھتا ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی باتوں پر ٹوکتا ہے، مختلف سرگرمیوں کے بھلے اور بُرے پہلو نمایاں کرتا ہے، ایک شفیق آقا کی طرح قدم قدم پر ہدایات دیتا ہے، اسے اس کی فکر بھی ہے کہ لوگوں میں تفرقہ نہ پڑے (ولا تفرقوا)، اسے اس کا خیال بھی ہے کہ لوگوں میں فواحش کا چرچا نہ ہونے پائے، وہ کہیں عدل، احسان اور ایتائے ذی القربیٰ کی نصیحت کرتا ہے، کہیں نفاق اور بزدلی اور مفاد پرستی کے چکر سے نکلنے کا اہتمام کرتا ہے، کہیں وہ مرد و زن کو گھر کی پاکیزہ فضا کو قائم رکھنے کا سبق دیتا ہے، کہیں رضاعت اور میراث کے معاملات میں ان کو پریشانیوں سے نکالتا ہے، کہیں اعلیٰ مقاصد کے لیے تلوار اٹھانے کی دعوت دیتا اور ہمت بندھاتا ہے، کہیں جنگی کارروائیوں پر تبصرہ کر کے پورے تجزیہ کے ساتھ ان کمزوریوں کی نشاندہی کرتا ہے جو قوت کو کمزور کرتی ہیں، کہیں آدابِ مجلس سکھاتا ہے، کہیں بیع و شرا کا قانون متعین کرتا ہے، کہیں اصولِ قصاص کو اجتماعی زندگی کی بنیاد بنا کر سامنے لاتا ہے، کہیں جرائم کی روک تھام کے لیے حدود و تعزیرات مقرر کرتا ہے اور کہیں جرائم کو روکنے والے صالح ماحول کی تعمیر کا مسالہ فراہم کرتا ہے۔ ایک ایک معاملے میں دلائل فراہم کرتا ہے، شکوک و شبہات کی گرہیں کھولتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کی کاٹ کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شفیق استاد ہے جو درسِ حیات دے رہا ہے، کوئی بے لوث مشیر ہے جو تمام معاملات میں بہترین مشورے، کبھی محبت کے پیرائے میں اور کبھی محبت بھری ڈانٹ کے ساتھ دے رہا ہے۔ انسانی فطرت جس معاملے میں سائل بن کے اٹھتی ہے، فوراً سوال کا جواب اس کے سامنے رکھ دیتا ہے، جو مطالبہ نظامِ تمدن کے اندر سے پیدا ہوتا ہے اسے فوراً پورا کر دیتا ہے، جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیاس زندگی کو محسوس ہوتی ہے اس پر ٹھیک مطلوبہ سامانِ نوش فراہم کر دیتا ہے۔

یہ ہے خدا جسے انسانی زندگی سے — چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی — پوری پوری دلچسپی ہے۔ جسے ہمارے ہر نفع و نقصان سے کوئی واسطہ ہے، جو ہمارے دکھ درد میں ہمارا ساتھی ہے۔ جو اپنی مخلوق کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیتا۔ ایسے خدا کو ماننے سے جو اعتماد، جو یقین اور جو پختہ شعور حاصل ہوتا ہے، دوسرے مسخ شدہ تصورات میں سے کسی سے نہیں ملتا۔

---

پھر قرآن کا خدا ایسا خدا ہے جو سچائی اور نیکی کا شعور، عدل کا ضابطہ اور زندگی کے لیے ایک پاکیزہ نظام دینے کے بعد انسان کو اس پر بھی تیار کرتا ہے کہ وہ اُس ماحول اور نظامِ معاشرہ اور اُس اجتماعی فضا سے کشمکش کرے جو اس کے ایمان و عمل کے لیے سازگار نہیں ہے۔ وہ بازمانہ بساز کے بجائے بازمانہ ستیز کا درس دیتا ہے۔

ہمیں خدا کا یہ تصور نہیں دیا گیا کہ وہ حیاتِ انسانی سے بے تعلق بیٹھا ہے اور اُسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تاریخ میں حق اپنا علَم اُٹھاتا ہے یا باطل اپنا بگل بجاتا ہے، بھلائی غالب آتی ہے یا برائی حکمراں ہو جاتی ہے۔ خیر کا سکّہ چلتا ہے یا شرّ کا فرمان جاری ہوتا ہے۔ بلکہ اسلام نے ایک ایسے خدا کی ہستی کا شعور ہمیں دیا ہے جو اپنے دستور و آئین کے تحت ایک طرف سے حق کا حق ہونا امتیازی شان سے نمایاں کرتا ہے، دوسری طرف سے باطل کا باطل ہونا صراحت سے سامنے لاتا ہے، اور ان دو متقابل قوتوں کو چھانٹ کر الگ الگ کر دیتا ہے (لیحق الحق ویبطل الباطل: الانفال - ۸)۔ پھر وہ خود ہی حق اور باطل کو آپس میں ٹکراتا ہے (کذٰلک یضرب اللہ الحق والباطل: الرعد - ۱۷) - پھر اس میں بھی وہ غیر جانبدار تماشائی نہیں ہے بلکہ وہ حق کی طاقتوں کا پشتیبان بھی ہے، اور وہ حق کو خود باطل پر ٹوٹ پڑنے کے لیے کھڑا کرتا ہے (بل نقذف بالحق علی الباطل: الانبیاء - ۱۸) - کھڑا ہی نہیں کرتا بلکہ نوبت یہاں تک پہنچانا چاہتا ہے کہ حق باطل کا کچومر نکال دے (فیدمغہ) اور وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہو (فاذا ھو زاھق)! وہ چاہتا ہے کہ انسانی معاشروں میں بار بار یہ کشمکش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو اور بار بار یہ اس نوبت کو پہنچے کہ پکارنے والا یہ پکارتا نظر آئے کہ لو اب حق آ گیا اور باطل سٹک چلا، اور ثابت ہو جائے کہ باطل ہمیشہ سٹک جانے والا ہے۔ (قل جاء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا۔ بنی اسرائیل۔ ۸۱)۔ اللہ تعالیٰ کی اسکیم یہ ہے کہ اپنے کلام، اپنی آیات، اپنے فرامین کے ذریعے باطل کے ہر نقش کو محو کرے اور حق کی حقانیت کو فاش کرے۔ (ویمح اللہ الباطل ویحق الحق بکلمٰتہ۔ الشوریٰ۔ ۲۴)

خدا کہ جس کی مشیت کا منصوبہ یہ ہے، وہ اپنے بندوں کو بھی صراحتہً یہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں تو اس شان سے لائیں کہ طاغوت سے کفر کا اعلان کریں (فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ۔ البقرہ۔ ۲۵۶)۔ وہ تقاضا کرتا ہے کہ عبودیت کی حدوں سے گذر جانے والوں نے جو نظام اور ماحول استوار کر دیا ہو اس کے اندر اطاعت گذارانہ شان سے اپنے آپ کو ہرگز نصب نہ کرو (لا تطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ الشعراء۔ ۱۵۱-۱۵۲) وہ قوم عاد کی روش پر تبصرہ کرتے ہوئے اس پر سخت بیزاری کا اظہار کرتا ہے کہ انہوں نے ہر جبار اور سرکش طاقت کے سامنے بے چون وچرا اطاعت کی پیشانی رکھ دی (واتبعوا امر کل جبار عنید۔ ہود۔ ۵۹)۔ ایسے خدا کا شعور و ایمان اپنی فطرت سے تقاضا کرتا ہے کہ آدمی نظام حیات کے ایک ایک گوشے میں معروف اور منکر کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کر دے، پھر معروف کو معروف کہے اور منکر کو منکر کہے، بلکہ معروف کو برپا کرنے کی کوشش کرے اور منکر کے سدّباب کے لیے محنتیں کرے۔ (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ آل عمران۔ ۱۱۰) اس خدا کا شعور ہے ہی ایسا کہ وہ منتج ہوتا ہے اس مطالبے پر کہ دین حق کو صرف اچھا سمجھ کے ہی نہ رہ جاؤ، اس کے چند اجزاء کو انفرادی حیثیت سے اختیار کر کے ہی نہ رک جاؤ، بلکہ اسے حیات اجتماعی کے دائرے میں قائم اور نافذ کرو۔ (۔۔۔۔ ان اقیموا الدین۔ الشوریٰ۔ ۱۳) اور قرآن یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ نے (تمام انبیاء و رسل کی طرح) اپنے آخری رسولؐ کو اسی مقصد سے بھیجا ہے کہ وہ اللہ کے دین کو فرمان روا طاقت بنا دے۔ (لیظھرہٗ علی الدین کلہ۔ التوبہ۔ ۳۳، الفتح۔ ۲۸، الصف۔ ۹)۔ اور یہ کام مخالفتوں اور مزاحمتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے علی الرغم کرنا ہے (ولوکرہ الکفرون!) یہی ہے وہ کام جس کے لیے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں محنت کرو، جدوجہد سے کام لو اور تگ و دو کا مظاہرہ کرو (وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ۔ الحج ۷۸) وہ واضح کرتا ہے کہ یہ کام خود اللہ کا کام ہے، خود وہ اس کا محرک ہے اور اس کے لیے وہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے کہ اللہ کے اس کام میں اس کے حمایتی بن کے اٹھو (کونوا انصار اللہ:۔ الصف ۱۴)

یہ تصورِ خدا آدمی کو نہ تو "یا مسلماں اللہ اللہ یا برہمن رام رام" کا درس دیتا ہے، نہ اسے "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی" کا مسلک سکھاتا ہے! یہ تو "با زمانہ بساز" کے بجائے "با زمانہ ستیز" کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے۔ یہ ایسی کمینہ ذہنیت نہیں پیدا کرتا کہ آدمی قوت و شوکت کو جدھر منتقل ہوتے ہوئے دیکھے اپنا قبلہ اُدھر بدل لے، جس ہاتھ میں کوڑا دکھائی دے اسی کے سامنے ڈنڈوت کرنے بیٹھ جائے، جس نظریے کے حق میں زیادہ ہجوم افراد کو سرگرم عمل دیکھے اسی پر ایمان لے آئے۔ ذرا ذرا سی رکاوٹیں اس کی سمتِ سفر کو بدل دیں اور واقعات و حوادث کے معمولی اتار چڑھاؤ اس کے زاویۂ نگاہ میں انقلاب لے آئیں۔ اس تصورِ خدا سے ایک با اصول شخصیت نمودار ہوتی ہے، ایک مضبوط ضمیر پیدا ہوتا ہے، ایک سپاہیانہ سیرت تشکیل پاتی ہے۔ آدمی اپنے ایمان کے لیے چوٹوں پر چوٹیں کھاتا ہے اور اُف نہیں کرتا، اسے زخم پر زخم لگتے ہیں اور قدم پیچھے نہیں ہٹاتا، موجوں کے تھپیڑے اس کے چہرے پر آ آ کر پٹختے ہیں مگر وہ سیدھا آگے بڑھنے سے باز نہیں آتا، آندھیاں اور جھکڑ آتے ہیں مگر اس کے ایمان کا دیا گل نہیں ہوتا۔ یہی وہ کیرکٹر ہے جس نے تاریخ انسانی کو لافانی قدروں سے مالا مال کیا ہے!

---

جو خدا اس طرح ایک اصول و مقصد کے لیے کشمکش کرنے والی ایک طاقت کو نوعِ انسانی میں سے کھڑا کر کے اسے معرکہ ہائے خیر و شر میں اُتار دیتا ہے، وہ پھر جنگاہِ تاریخ میں اپنے سپاہیوں کو چھوڑ کر ان سے بے خبر نہیں ہو بیٹھتا۔ وہ حالات کے اُتار چڑھاؤ پر نظر رکھتا ہے اور ایک ایک سپاہی سے اس کا تعلق قائم رہتا ہے۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے، سنتا ہے، جانتا ہے، کوئی آڑ نہیں جو بیچ میں حائل ہو، کوئی مغالطہ نہیں جس کا وہ شکار ہو سکے، کسی کوتاہیٔ علم کا اندیشہ نہیں، اسے دلوں کے راز اور ارادے اور نیتیں اور ضمیر کے چھپے گوشے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک معلوم رہتے ہیں، وہ ماضی حال اور مستقبل کو یکساں جانتا ہے۔ اسے ہر معرکے کی ابتدا بھی معلوم ہے اور اس کا انجام بھی اس پر فاش ہے۔

اس کا کوئی اندیشہ نہیں کہ کہیں وہ کام کرتے کرتے اور معاملات کو دیکھتے دیکھتے اور ان پر احکام صادر کرتے کرتے کچھ وقفوں کے بعد تھکن میں مبتلا ہو کر غافل نہ ہو جائے (وما مسنا من لغوب۔ ق۔ ۳۸) اس کا بھی کوئی امکان نہیں کہ مسلسل توجہ کے دوران میں کبھی اس پر اونگھ طاری ہو جائے اور اس لمحے واقعات و احوال کی باگ ڈور اس کے ہاتھ سے نکل جائے، یا کسی مدت کے بعد نیند اسے اپنی لپیٹ میں لے لے اور اس موقع پر تاریخ کی مہار اس کے قبضے سے چھوٹ جائے! (لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔ البقرہ۔ ۲۵۵)

یہ تصور ایک جیتے جاگتے خدا کا تصور ہے (الحیّ قیّوم) جس کی قوتیں تحلیل نہیں ہوتیں، جس پر ضعف و نقاہت کا حملہ نہیں ہوتا، جس کو استراحت کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی، جس پر غفلت طاری نہیں ہوتی، جس کے خلق و امر کے تسلسل میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوتا، جسے کام کا بوجھ دوسروں پر بانٹنے کی کوئی مجبوری درپیش نہیں ہے، جو خدائی کی ذمہ داریاں کسی لمحے بھی اوروں کے حوالے نہیں کرتا۔ ایسے خدا پر ایمان رکھنے والے جب معرکوں میں مصروف ہوتے ہیں تو وہ جس فرماں روا کا علم لے کے آگے بڑھتے ہیں اس کے بارے میں وہ پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں کہ یہاں جو جو کچھ پیش آرہا ہے، وہاں پل پل کی خبر رہتی ہے، یہاں جو زخم لگتے ہیں ان کی ٹیس عرش تک پہنچتی ہے، یہاں خون پسینے کا جو قطرہ بھی بہتا ہے اس کا وہاں باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے، یہاں دشمنوں کے جن نرغوں سے سابقہ پڑتا ہے ان میں گھرے ہوئے عشاق کی جاں فشانیوں کا وہ خود بالائے بام سے آ کر تماشا کرتے ہیں۔ یہاں ہجر کے ماروں پر جو لمحۂ کرب بھی گزرتا ہے وہاں اس کی کیفیات کی پوری گہرائیوں کا علم ہوتا ہے۔ یہ تصور صبر و عزیمت پیدا کرتا ہے، استقامت کا وصف پیدا کرتا ہے، استقلال کی خصلت کو قائم کرتا ہے، اور ذوقِ عاشقی کو بیتاب تر بناتا ہے۔

---

اتنا ہی نہیں کہ خدا ان تمام حالات کا علم رکھتا ہے جن سے اس کے سپاہی دوچار ہوتے ہیں، بلکہ اسلام کا دیا ہوا تصورِ خدا یہ بتاتا ہے کہ درحقیقت تمام حوادث کی زمام اس کے اپنے ہاتھ میں رہتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وہ ایک فرماں رواطاقت ہے، وہ صاحبِ اختیارات ہستی ہے، وہ فعال ذات ہے۔ اس نے سلطنتِ کائنات کا پورا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں رکھا ہے (بیدہ الملک؛ الملک۔ ۱) اس نے جونہی تخلیقِ عالم کی، وہ اس کے تختِ اقتدار پر متمکن بھی ہو گیا اور اب معاملات کو طے کرنے والی آخری طاقت وہی ہے۔ (خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام ثم استویٰ علی العرش یدبر الامر۔ یونس۔ ۳) وہی زمین وآسمان کی اس سلطنت کے چھپے اسرار کا جاننے والا ہے، لہٰذا امورِ سلطنت کا مرجع بھی وہی ہے (وللّٰہ غیب السمٰوات والارض والیہ یرجع الامر کلہ۔ یوسف۔ ۱۲۳) آسمانوں اور زمینوں کی ساری طاقتوں، سارے خزانوں اور سارے احوال کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں اور جس قفل کو وہ جب چاہے کھولے اور جب چاہے بند کر دے، اس کے بند کیے کو کھولنے والا کوئی نہیں اور اس کے کھولے کو بند کرنے والا کوئی نہیں (لہ مقالید السمٰوات والارض۔ الزمر۔ ۶۳، الشوریٰ۔ ۱۲) ہر چیز کے اختیارات اس کے اپنے قبضے میں ہیں، (یٰسین۔ ۸۳)۔

اسی اختیارِ کلی کے ساتھ وہ ایام کے ہنڈولے کو گھماتا ہے (تلک الایام نداولھا بین الناس۔ آل عمران ۱۴۰) جس کی گردش تاریخ انسانی میں کبھی کنارِ بام سے اونچی طاقتوں کو اٹھا کے نیچے پھینک دیتی ہے اور کبھی حلقۂ دام سے طیورِ اسیر کو نکال کر فضائے سپہر میں لے اڑتی ہے۔ کبھی روشن آفتاب بجھ کر غبار پریشاں بن جاتے ہیں اور کبھی حقیر ذروں کی قسمت جاگتی ہے تو وہ سورج بنا کے چمکا دیئے جاتے ہیں۔ کبھی حنگاہِ حیات میں فاتحین کو پکڑ کر قیدیوں کے کیمپوں میں ڈلوا دیا جاتا ہے اور کبھی شکست خوردہ عساکر کو آگے بڑھا کر فتح ونصرت کا ہار ان کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت کے فیصلے ہیں کہ کسی سے سلطنت چھین لی جاتی ہے اور کسی کو تخت پر بٹھا دیا جاتا ہے (تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء)، کسی کے سر پر عزت کا تاج رکھا جاتا ہے اور کسی کو ذلت کے کانٹوں میں گھسیٹا جاتا ہے (تعز من تشاء وتذل من تشاء)، کبھی کالی رات کے شکم سے صبح کا جنین پرورش پا کر ایک نیا دورِ حیات لے آتا ہے اور کبھی روزِ روشن کے اندر سے ظلمتِ شب کا سیلاب امڈ پڑتا ہے (تولج الیل فی النہار وتولج النہار فی الیل)، کہیں یہ دیکھتے ہیں کہ مردہ معاشروں میں سے زندگی کی ہماہمیوں کے نئے چشمے ابلنے لگتے ہیں، اور کبھی یہ منظر سامنے آتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمدن کی موجیں زندگی کے لاشے اٹھا اٹھا کر ساحل پر پھینکتی ہیں (تخرج الحیّ من المیّت وتخرج المیت من الحیّ) ــــ لیکن ان سارے تغیرات میں بظاہر کتنے ہی پہلو غم و اندوہ کے کیوں نہ ہوں، بظاہر کتنے ہی فوائد اور آرام کیوں نہ ان کی بھینٹ چڑھتے نظر آئیں، بہرحال یہ سب کچھ خیر کے لیے ہوتا ہے۔ اور بہت بڑے خیر کے لیے ہوتا ہے (بیدک الخیر)۔

ظاہر کی آنکھ جب تغیرات کے بڑے بڑے پلٹوں کو دیکھتی ہے تو بندے کا چھوٹا سا دل یک دھک سے رہ جاتا ہے، اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے ایسا محسوس کرتا ہے کہ بس اب تمام راستے بند ہو گئے، اب کھیل کا پانسہ بالکل آخری بار پلٹا ہے اور ڈراپ سین ہو رہا ہے لیکن اگر اس پر یہ منکشف ہو جائے کہ ان سارے جھکڑوں، بگولوں، آندھیوں اور سیلابوں کے پیچھے خدا کا اپنا دستِ قدرت متحرک ہے تو وہ ایک لمحہ بھی مضطرب اور مایوس اور ہیبت زدہ نہ ہو۔ نہ صرف یہ کہ ایک مختارِ کل ہستی کسی منصوبہ کے تحت حالات کو بار بار پلٹے دیتی ہے بلکہ وہ ہستی ایک بچگانہ کھیل نہیں کھیل رہی بلکہ اس کے سارے اقدامات حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کا یہ قانونِ تغیر و حدوث اپنا عمل نہ کرتا تو یہاں ایک بار جو طاقت آگے آ جاتی وہ ہمیشہ کے تسلط کا پٹہ لکھا کر بیٹھ رہتی۔ اور انسانیت اس کے جوئے سے کبھی نجات نہ پا سکتی۔ اللہ نے ہماری حیاتِ مدنی کا نظم ایسے اصولوں کے تابع رکھا ہے کہ شوکت مآب ہستیاں بڑے بڑے محل کھڑے کرتی ہیں اور جب وہ محل آسمان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو کوئی زلزلہ ان کو معاً پیوندِ خاک کر دیتا ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوتی ہیں اور جب تغیر کے قانون کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے تو ان کے پرزے اڑ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے قاہر ہیں کہ جو ظلم کی تلواریں سونتے نپولین، چنگیز اور ہلاکو اور حجاج بن بن کے ابھرتے ہیں، لیکن حادثات کی رَو جب امرِ الٰہی کی تلوار لے کے نمودار ہوتی ہے تو کوئی اس کے سامنے نہیں ٹکتا۔ خدا نے انسان کو کھُل کھیلنے کے مواقع ضرور دیے ہیں، مگر اس نے اپنے ہاتھ میں آخری فیصلے کا کوڑا بھی رکھا ہے۔ اس کے زیرِ حکم فرشتوں اور طبعی طاقتوں اور تاریخی عوامل کے بے شمار عساکر فتنہ گروں کی تادیب و تنبیہ کے لیے ہر لحظہ حرکت کرنے کو چاق و چوبند کھڑے رہتے ہیں۔ اس نے اس امر کا پورا پورا اہتمام کیا ہے کہ ظلم و تعدی کی طاقتوں کو وقتاً فوقتاً باہم دگر لڑا کر ایک کو دوسرے کے ہاتھوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ختم کرا دے، ورنہ تمدنی صورت حالات زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں رہ سکتی (ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض۔ البقرہ۔ ۲۵۱) حیات ارضی کو بگاڑ دینے والی طاقتوں کو اگر ایک دوسرے سے ٹکرانے کا بندوبست نہ ہوتا تو عبادت گاہیں ڈھے جاتیں، علوم کے مراکز ویران ہو جاتے، منڈیاں اجڑ چکتیں اور یہاں کچھ نہ ہوتا جس پر زندگی کا لفظ بولا جا سکتا۔ مذہب و اخلاق، علوم و فنون، معیشت و معاشرت کا بالکل صفایا ہو چکتا (ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت ۔ ۔ ۔ الحج۔ ۴۰) یہ تغیرات و حوادث ہی کا فیضان ہے کہ خدا کے بندوں کے لیے کام کرنے کے دروازے مختلف سمتوں میں بار بار کھلتے رہتے ہیں اور وہ جادۂ حق پر قدم آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اگر ایک حالت کو روک کے کھڑا کر دیا جائے تو خود تحریکِ حق بھی ایک ہی مقام پر کھڑی ہو کے رہ جائے۔

نظامِ تمدن کا حال بالکل ریگستانی صحرا کا سا ہے۔ ابھی ہوائے تند چلی اور اس نے یہاں کی ریت اٹھا کے وہاں ڈالی اور تودے اور انبار، بلکہ پہاڑ کے پہاڑ یکایک ایک مقام پر نمودار ہو گئے۔ دیکھنے والا ٹنوں ریت کے ان انباروں کو دیکھے گا تو وہ تصور ہی نہیں کر سکے گا کہ یہ پہاڑ اب یہاں سے اٹھ کے کسی دوسری جگہ بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ مگر اگلے ہی دن وہی ہوائے تند جب اپنا دوسرا طوفان اٹھائے گی تو اپنے جھونکوں کے کروڑوں مزدور لگا کر آناً فاناً ان تودوں، ٹیلوں اور پہاڑوں کو وہاں سے منتقل کر کے کسی دوسرے نقشے کے تحت بالکل دوسری جگہ جا آراستہ کرے گی۔ کل جہاں پہاڑ کھڑے تھے وہاں اب دیکھیے تو الٹا گڑھے پڑ گئے ہوں گے۔ آج یہ پلڑا جھک گیا، کل وہ بھاری ہو گیا۔ ابھی دریا کے حوادث نے یہاں سے زمین کاٹی اور وہاں برآمد کر دی، اگلے دن وہاں پانی بہنے لگا اور دوسرے پہلو پر نئی خشکی ابھر آئی۔

خدا کا ـــــ اور ایک حکیم خدا کا ـــــ جو تصور قرآن نے دیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ وہ بندوں کی کارسازی کرنے کے لیے اپنے فرشتوں کے ذریعے ہر ہر معاملے میں امر فرما رہا ہے۔ کہیں اس کے کارندے کسی مسکین کی کشتی کو بیگار سے بچانے کے لیے اس میں چھید کر رہے ہیں، کہیں وہ یتیم بچوں کے مال کو محفوظ رکھنے کے لیے دیواریں کھڑی کر دیتے ہیں، اور کہیں وہ بوڑھے مومن والدین کو بہت بڑی مصیبتوں اور ذلتوں سے بچانے کے لیے ان کے بچے کو موت کے گھاٹ اتارتے نظر آتے ہیں۔ نادان مسکین کشتی کے ناکارہ ہو جانے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سر پیٹ رہے گا کہ یہ کیا ہوا، یتیم بچے حیرت زدہ ہونگے کہ کسی نے گرتی ہوئی دیوار پر کس محرک کے تحت یہ ردّے رکھ دیئے، بوڑھے ماں باپ سر پیٹیں گے اور گریبان نوچیں گے کہ ان کا نورِ نظر ان سے چھن گیا۔ لیکن خدا کا صحیح تصور اگر موجود ہوگا تو وہ ان کو تسلی دے گا کہ ان حوادث کے پیچھے تمہاری خیر و فلاح کار فرما ہے۔ اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی میں جو بڑے بڑے ہولناک طوفان اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، مبہوت کر دینے والے واقعات اچانک رونما ہو جاتے ہیں، یکایک خطرات و مہالک اُبھر آتے ہیں، امن غارت ہو جاتا ہے، جانوں سے امان اُٹھ جاتی ہے، شہری آزادیاں ختم ہوتی دکھائی دیتی ہیں، بنیادی حقوق کا گلا گھٹتا ہے، زبانوں پر مہریں لگ جاتی ہیں، قلموں پر پہرے بیٹھ جاتے ہیں، کام کے راستے بند ہوتے نظر آتے ہیں تو یہ سب کچھ پردے سے اِدھر اُدھر کا منظر ہوتا ہے۔ لیکن اس پردۂ اسرار کے پیچھے جو حکم و مصالح کار فرما ہوتے ہیں وہ کسی بہت بڑے خیر کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں۔ اس چرخۂ حوادث کی گردش کبھی تاریک پہلو سامنے لاتی ہے اور کبھی روشن رُخ! کبھی سختی آتی ہے، کبھی نرمی! کبھی پیش قدمی کے لمحے آتے ہیں، کبھی پسپائی کے! کبھی جون کی دھوپ ہے تو کبھی ساون کی برسات! کبھی فصلِ بہار کی شادابیاں ہیں اور کبھی خزاں کی اداسیاں؟ تاریخ کسی ایک حالت پر تھم نہیں رہتی۔ چنانچہ کام کرنے والوں کا راستہ انہی تغیرات کے طوفانوں سے ہو کے جاتا ہے۔

جس خدا کی شان یہ ہے کہ کسی حالت کو دوام نہ حاصل کرنے دے بلکہ بار بار پانسے پلٹتا رہے اور بڑی بڑی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت پلٹتا رہے۔ اس پر ایمان لانے والوں کے دل کسی ناسازگار ترین حالت میں بھی نہیں بیٹھتے، کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ آج جہاں پہاڑ کھڑے ہیں کل وہاں کھائیاں ہونگی! آج جس تعمیرِ خشت و سنگ کو ہم قصر و ایوان کا نام دیتے ہیں کل دنیا اسے قبرستان کہہ کر پکارے گی! آج جس شے کو تخت کہا جاتا ہے، کسے معلوم کہ وہ کب یکایک تختے میں بدل جائے گا! آج جن آستانوں پر مرعوبیت کے سجدے ہوتے ہیں، کل ان کو دنیا حقارت کی نگاہ کا مستحق بھی نہ سمجھے گی!

---

پھر قرآن کا خدا! اتنا عظیم، اتنا برتر، اتنا متعال، اتنا کبیر، اتنا قوی، اتنا قاہر، اتنا جابر ہے کہ اسے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ماننے سے تو بڑی بڑی سلطنتیں اس کے ہاتھوں میں حرکت کرنے والی کٹھ پتلیاں نظر آتی ہیں، بڑے بڑے شاہانِ ذی شان محض شاہِ شطرنج معلوم ہوتے ہیں، بڑے بڑے شیرانِ غاب فقط شیرانِ قالین نظر آتے ہیں۔ اس خدا کو ماننے سے نگاہیں اتنی وسیع اور دماغ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ فراعنہ و نماردہ اس نظامِ مشیت کے اندر موروملخ سے زیادہ اہم نظر نہیں آتے۔ وہ خدا جس نے ہائیڈروجن کے ایک حقیر سے ایٹم میں انرجی کے عساکر کی چھاؤنیاں قائم کر رکھی ہیں، جب اس کی قدرت کی شان سامنے آجاتی ہے تو پھر عالمگیر اثر رکھنے والی انسانی طاقتوں کے لیے اس خدا کے ماننے والوں کی نگاہوں میں کوئی وزن نہیں پیدا ہوتا۔

آدمی جب اپنے سامنے اونچی اونچی عمارتیں دیکھتا ہے، درباروں کے ٹھاٹھ باٹھ اور سلامیاں اور استقبال اس کے سامنے آتے ہیں، جب روپے پیسے کی چھنا چھن وہ سنتا ہے، جب وہ زرق برق لباسوں پر نگاہ ڈالتا ہے، جب وہ شراب و رقص کی بزم ہائے عشرت کے مظاہروں سے دوچار ہوتا ہے، اس کے سامنے جب کاریں دوڑتی اور جہاز اڑتے ہیں، پھر جب پولیس کے دستوں اور فوج کی چھاؤنیوں کا جائزہ لیتا ہے، پھر جب وہ قانون کی زنجیروں کی جھنجھناہٹ سنتا ہے اور جب وہ اپنے سامنے اختیار کی تلواریں بے نیام ہوتی دیکھتا ہے تو اس کا چھوٹا سا دل مرعوبیت و ہیبت کے مارے اور سکڑ جاتا ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ اس شان و شوکت سے جو لوگ نوازے گئے ہیں ان کے سامنے دم مارنا اس کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو بس اٹل طاقتیں ہیں! لیکن قرآن جس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اسے مانتے ہی وہی چھوٹا سا دل پھیل کر پورے آفاق پر چھا جاتا ہے۔ اسلام کے خدا کا تصور آدمی کے کان میں کہتا ہے کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، ان طاقتوں کی حقیقت پھر محض کٹھ پتلیوں کا ایک تماشا ہے (فلا یغررک تقلبھم فی البلاد۔ المومن۔ ۴)۔ یہ سارے ٹھاٹھ باٹھ کوئی دم کا کھیل ہیں (متاع قلیل۔ آل عمران ۱۹۶-۱۹۷) مال و اولاد کی یہ کثرت اور قوت کے لشکروں کے یہ مظاہرے قانونِ الٰہی کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتے (لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم شیئاً۔ آل عمران ۱۰-۱۱۶، مجادلہ ۱۷۔ ولن تغنی عنکم فئتکم شیئاً ولو کثرت۔ الانفال ۹)۔

خدا کی صفات کا یہ شعور، احساس کی عظمت و قدرت کا یہ اسلامی تصور ہے جو عرب کے بدوؤں کو اتنا



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جری بنا دیتا ہے کہ وہ بے تکلفی سے دربارِ ایران کے قالینوں کو پامال کرتے ہوئے ایک جابر بادشاہ کی طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈالے آگے بڑھتے ہیں اور کسی دکھاوے سے مرعوب نہیں ہوتے۔ یہ تصور ہے جو امام حسینؓ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو حنیفہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ظلم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کے لیے اٹھا کھڑا کرتا ہے۔

---

قرآن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ خدا محنت کرنے والے کی محنت کا قدر ناشناس نہیں ہے۔ وہ ہر سپاہی کی کارگزاریوں کو اور ہر مزدور کی جانفشانیوں کو جانتا ہے اور ان کا پورا پورا قدر دان ہے۔ (وکان اللہ شاکراً علیما۔ النساء۔ ۱۴۷) وہ قدر دان ہی نہیں بلکہ گارنٹی دیتا ہے کہ کسی کا کیا کرایا اکارت جانے والا نہیں، کسی کی کمائی ڈوب نہیں سکتی، کسی کی بوئی ہوئی کھیتی اکارت نہیں رہ جاتی (انا لا نضیع اجر المصلحین۔ الاعراف۔ ۱۷۰، ولا نضیع اجر المحسنین۔ یوسف۔ ۵۶) تم دکھ اٹھاتے ہو، تم جان و مال کی قربانیاں دیتے ہو، تم گالیاں سنتے ہو، تم الزامات کے وار سہتے ہو، تم دوڑ دھوپ کرتے ہو، تم قیدیں کاٹتے ہو، تم قانون کے شکنجے میں کسے جاتے ہو، تم بیوی بچوں سے الگ کیے جاتے ہو، تم وطن سے نکالے جاتے ہو، تم کاروبار کی تباہی سے دوچار ہوتے ہو، تم بے روزگاری اور فقر و فاقہ اور بیماریوں کا شکار ہوتے ہو ــــ محض اس لیے کہ تم اپنی اور اپنی قوم اور اپنے ابنائے نوع کی بھلائی کے لیے اپنے خدا کے دیئے ہوئے نظامِ حیات کے علمبردار بن کے اٹھتے ہو۔ تمہارے سینے میں آدم کی اولاد کا درد ہے، تمہارے اندر ملک و ملت کی سچی محبت کا زمزمہ ہے، تو مطمئن رہو کہ تمہارا سارا کیا کرایا محفوظ ہے۔ تم جو کچھ کر دگے اس کا ایک ایک نقش تاریخ کے سینے پر بھی ثبت رہے گا اور تمدن کی کھیتی تمہارے ڈالے ہوئے کسی بھی بیج کو گلنے سڑنے نہ دے گی، اور دوسری طرف تمہارا اپنا اجر آخرت کے کھاتے میں پائی پائی کے حساب سے محفوظ ہے۔ نہ کیا کرایا اس لحاظ سے رائگاں جا سکتا ہے کہ حیاتِ انسانی کے اوراق سے وہ حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے، اور نہ اس لحاظ سے وہ غارت ہو سکتا ہے کہ اس کا بدلہ تم کو نہ دیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک قدرشناس خدا کا تصور، اور حق الخدمت کو محفوظ رکھنے بلکہ اپنی طرف سے بے پایاں انعام کا اضافہ کرکے ادائیگیِ حساب کرنے والے خدا کا تصور وہ عظیم الشان روحانی طاقت بن کر کام کرتا ہے کہ آدمی بغیر اپنے اعمال اور سرگرمیوں کی کوئی نقد قیمت مانگے رضائے الٰہی پر نگاہ جما کر ساری زندگی کو داؤں میں رکھ دیتا ہے۔ وہ آروں کے نیچے چرتا ہے، وہ اپنے آپ کو کھال کھینچنے والے قسائیوں کے حوالے کرتا ہے، وہ پھانسی کے تختوں پر کھڑا ہوتا ہے، وہ کوڑوں کے لیے اپنی پیٹھ پیش کرتا ہے اور نہ جانے کیا کیا بازیاں ہیں جو کھیل جاتا ہے مگر اپنے ایمان اور اصول اور مقصد کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔

---

اور قرآن کا خدا اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے بندوں کا رفیقِ دمساز، ولی کارساز اور حامی و ناصر بھی ہے۔ یہاں خدا کا یہ تصور نہیں دلایا جاتا کہ وہ الگ تھلگ کہیں پڑا ہے، یا بس زیادہ سے زیادہ مالک الملک اور حکمران ہے، بلکہ یہاں اس کو اپنے بندوں کا رفیق بتایا گیا ہے۔ (بان اللہ مولی الذین اٰمنوا۔ محمد۔۱۱)۔ رفیق بھی ایسا رفیق نہیں جو وقت پڑے پر ہاتھ نہ آئے، بلکہ پکا ساتھی، ہر ہر لمحے کا ساتھی، برے اور بھلے کا ساتھی، (وھو معکم اینما کنتم۔ الحدید۔۴)۔ ہاں ساتھی، اور ایسا ساتھی جو کٹھن گھڑیوں میں ہمت بندھانے کے لیے دل کے اندر سے پکارتا ہے کہ ڈھیلے نہ پڑو، ہراساں نہ ہو، ملول نہ ہو، تم غالب ہو کے رہو گے، بڑھتے چلو، بڑھتے چلو (لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون۔ آل عمران۔ ۱۳۹)۔ اس کے بندوں کو کارزارِ حیات میں کوئی چرکا لگتا ہے تو وہ فوراً مرہم تسکین لیے پاس موجود ہوتا ہے اور آنسو پونچھتے ہوئے کہتا ہے کہ گھبرانے کی کیا بات ہے، آج تم پر دشمن کا وار کاری ہو گیا، کل تمہارا وار بھی تو اسے گھائل کر چکا ہے، اور ابھی تو معرکے باقی ہیں (ان یمسسکم قرح فقد مس القوم، قرح مثلہٗ۔ آل عمران۔ ۱۴۰) پھر وہ اپنے قصرِ رحمت کا دریچۂ اجابت کھول کر پکارتا ہے کہ نا سازگار حالات کی اندھیاریوں میں مجھے پکارو، میں تمہاری فریادیں سنتا ہوں اور ان پر مناسب کارروائی کرتا ہوں۔ (ادعونی استجب لکم۔ المومن۔ ۶۰)۔ وہ دکھی دلوں کو اطمینان دلاتا ہے کہ تم جب کرب کی گھڑیوں میں بے بس ہو کر مجھے پکارتے ہو تو میں مصیبت کی گھٹاؤں کو چھٹا دیتا ہوں (یجیب

(باقی صـ ۱۲۲ پر)

© rasailojaraid.com